قاہرہ میں پہلی اسلامی کانگرس

سعید احمد اکبرآبادی

قاہرہ میں جامعہ ازہر کے ماتحت مجمع البحوث الاسلامیہ (Al Azher Academy of Islamic Research) کے نام سے ایک انسٹیٹوٹ کئی سال سے قائم ہے جس کے ممبر مصر کے علماء و فضلاء کے علاوہ بعض اسلامی ممالک کے علماء بھی ہیں، اس انسٹیٹوٹ کے مقاصد یہ ہیں:-

(الف) اُن تمام قدیم و جدید مسائل و معاملات پر بحث و گفتگو کرنا جن کا تعلق اسلامی ثقافت سے ہے۔

(ب) بین الاقوامی بنیاد پر اسلامی ثقافت کے احیاء کے لئے جد و جہد کرنا۔

(ج) اسلامی ثقافت کو غیر اسلامی آب و رنگ سے نکھار کر اُس کو اصل شکل و صورت میں پیش کرنا۔

(د) اسلامی ثقافت کا علم حاصل کرنے اور اس سے متعارف ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنا۔

(ہ) اسلامی تحقیقات کے سلسلہ میں اب تک جو کچھ چھپا اور شائع ہوا ہے اُس کا تنقیدی نقطۂ نظر سے جائزہ لے کر اُس میں جو کچھ درست اور صحیح ہے اس سے فائدہ اٹھانا اور جو غلط ہے اُس کی تصحیح کرنا۔

اس سال اس اکاڈمی نے اپنی پہلی عالمی موتمر منعقد کی جو ۶ر مارچ کو شروع ہوئی اور ۲۳ر کو ختم ہو گئی اس موتمر میں ۳۹[1] ملکوں کے نمائندہ علماء اور فضلاء جو سب کے سب مسلمان اور دیندار تھے شریک ہوئے ان ملکوں میں روس، جاپان، انگلینڈ، ہولنڈ، ہنگری، یوگوسلاویا، فلپائن، سیلون، اور انڈونیشیا

---

[1] قاہرہ کے ایک اخبار نے ملکوں کی تعداد ۴۲ لکھی تھی مگر صحیح ۳۹ ہے۔

افغانستان، پاکستان، اور افریقہ اور مشرقِ وسطیٰ کے سب ممالک شامل ہیں، ہندوستان سے مولانا محمد طیب (دیوبند) مولانا منت اللہ رحمانی (مونگیر) اور خاکسار (علی گڑھ) نے شرکت کی، بلاوا مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کا بھی تھا مگر یہاں کی مصروفیتوں کے باعث نہ جا سکے، تعداد سب شرکا کی مل ملا کر ایک سو ہوگی، موتمر کے سب جلسے محافظہ[1] القاہرہ کی سرکاری اور شاندار عمارت کے ہال میں ہوئے، یہ ہال (جسے عربی میں قاعۃ الموتمرات کہتے ہیں) عمارت کی پہلی منزل (FIRST FLOOR) میں ہے اور اگرچہ مختصر ہے مگر نیویارک کے مجلسِ اقوامِ متحدہ کے ہال کے طرز پر بنا ہوا ہے۔ اس میں دو بڑے دروازے اور دو ضمنی دروازے ہیں، اندر داخل ہوتے ہی دیوار سے لگا ہوا ڈائس ہے جس پر دو کرسیاں اور ایک میز رکھی ہوئی ہیں، ایک کرسی صدر اور دوسری سکریٹری کے لئے، ڈائس کے سامنے آگے پیچھے دو میزیں (ایک بالکل زمین پر اور دوسری ایک پلیٹ فارم پر نصف دائرہ کی شکل میں ہیں اور اس دوسری میز کے عقب میں دو میزیں مستطیل شکل کی ہیں، ان میزوں کے ساتھ برابر برابر قرینہ سے ایک ہی وضع قطع اور ایک ہی رنگ کی کرسیاں پڑی ہوئی ہیں، ہال کا یہ حصہ ممبروں کے لئے مخصوص ہے اور لکڑی کے ایک کٹہرہ سے گھرا ہوا ہے اس کے دائیں بائیں اسی انداز کی اور میزیں اور کرسیاں ہیں جو غیر ممبروں کے لئے ہیں، پورے ہال میں ہر کرسی کے سامنے میز پر بولنے اور تقریر کرنے کا آلہ اور میز کی دراز میں تقریر سننے کا آلہ یعنی ایر فون رکھا ہوا ہے اور ایر فون کے پاس ہی گھڑی کے ڈائل کی شکل کا ایک پہیہ سا ہے جس پر ایک دو تین نمبر ثبت ہیں اور اسی میں ایک سوئی لگی ہوئی ہے، مقصد یہ ہے کہ موتمر میں تقریر عربی، انگریزی اور فرانسیسی ان میں سے کسی ایک زبان میں ہوگی لیکن بیک وقت دوسری دو زبانوں میں بھی سنی جا سکے گی، پہیہ پر ایک کا نشان عربی کے لئے ہے اور ۲ اور ۳ کا نشان علی الترتیب انگریزی اور فرنچ کے لئے ہے، کرسیِ صدارت کی بائیں طرف ہال کے سرے پر تین بوکس ہیں اور ہر بکس میں ایک یا دو لڑکیاں بیٹھی ہیں، اب فرض کیجئے مقرر عربی زبان میں تقریر کر رہا ہے اور آپ اس تقریر کو انگریزی

---

[1] عربی میں محافظ ڈسٹرکٹ یعنی ضلع کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ مصر جن ضلعوں پر تقسیم ہے اُن میں ایک قاہرہ بھی ہیں، یہ عمارت اسی ضلع کی ہے۔

میں سننا چاہتے ہیں تو اس کی صورت یہ ہے کہ آپ کے سامنے جو ایرفون رکھا ہے وہ کانوں پر لگائیے اور پہیہ (ڈائل) کی سوئی کو دو کے ہندسہ پر لگا دیجئے، آپ بلا توقف پوری تقریر انگریزی میں سُن سکیں گے بکسوں میں بیٹھی ہوئی لڑکیاں مقرر کے ساتھ ساتھ اپنی زبان میں اس خوبی سے ترجمہ کرتی جاتی تھیں کہ یہ معلوم ہوتا تھا ترجمہ نہیں بلکہ خود روانی سے تقریر کر رہی ہیں ہر ایک مقرر اور ہر قسم کی تقریر کے ساتھ یکساں معاملہ کرنا ان لڑکیوں کا بڑا کمال تھا۔

موتمر کے جتنے مہمان تھے فندق اطلس اور کنٹیننٹل ہوٹل میں ٹھہرائے گئے تھے، یہ دونوں ہوٹل قاہرہ کے مرکزی حصہ میں ہیں اور پاس پاس ہیں، چند ایک ممبر ایسے بھی تھے جو اپنے ملک کے سفارت خانہ میں یا بطور خود اپنی پسند کے کسی اور ہوٹل میں مقیم تھے، ۶ مارچ سے موتمر کا آغاز ہوا، مگر کس طرح؟ اس تاریخ کو جمعہ کا دن تھا، اس لئے پروگرام یہ بنا کہ سب لوگ جمعہ کی نماز مسجد جامع ازھر میں پڑھیں، وہاں سے ڈیڑھ بجے واپس آکر اپنے اپنے ہوٹل میں لنچ کھائیں، چنانچہ یہی ہوا، شام کو ۶½ بجے فندق شبرد میں چائے تھی، اس کا مقصد سب حضرات کی باہمی ملاقات اور تعارف تھا۔ ۷ مارچ کو ۱۱½ بجے صبح مذکورۂ بالا عمارت کے بڑے ہال میں موتمر کا باقاعدہ افتتاح ہوا اور وہ اس طرح! کہ پہلے قرآن مجید کی تلاوت ہوئی، اس کے بعد وزیر اوقاف (اب نئی وزارت میں نہیں رہے) ڈاکٹر محمد بہی نے اور ان کے بعد ڈاکٹر محمد عبداللہ الماضی وکیل الازہر[1] اور ڈاکٹر محمد حب اللہ جنرل سکریٹری مجمع البحوث الاسلامیہ نے علی الترتیب خیر مقدمی تقریریں کیں اور موتمر کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی، جیسا کہ قاعدہ ہے اس کے جواب میں بعض مہمانوں نے جوابی تقریریں کیں اور اس اجتماع اور اُس کی دعوت پر جمہوریت متحدہ عربیہ کا شکریہ ادا کیا۔

یہ سب تو رسمی کارروائی تھی اس تاریخ یعنی ۷ مارچ کی شام سے موتمر کی اصل کارروائی شروع ہوگئی۔ یہ جلسہ شام کو پانچ بجے ڈاکٹر محمد عبداللہ الماضی کی صدارت میں جو موتمر کے مستقل صدر بھی تھے شروع ہوا۔[2]

---

[1] یہ عہدہ نائب شیخ جامعہ ازہر کا ہے۔ شیخ ازہر شیخ محمد شلتوت کے پچھلے دنوں انتقال کے بعد سے اب تک کسی نئے شیخ ازہر کا انتخاب نہیں ہوا ہے اس لئے ڈاکٹر ماضی ہی آج کل شیخ کا کام کر رہے ہیں۔ [2] موتمر کے اوقات یہ تھے۔ صبح دس بجے سے سوا گیارہ بجے تک جلسہ، سوا گیارہ بجے سے ۱۲ بجے تک استراحت یعنی کافی چاء وغیرہ، اس کے بعد ۱۲ بجے سے ایک بجے تک جلسہ۔ شام کو پانچ بجے سے آٹھ بجے تک (درمیان میں نماز مغرب اور چاء کیلئے پون گھنٹے کے وقفہ کے ساتھ) جلسہ۔

اس جلسہ میں سب سے پہلے شیخ علی عبدالرحمٰن سابق وزیر سوڈان نے " عوامل انتشارالاسلام " کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں انھوں نے اسلام کی عالم گیر اشاعت اور اُس کے عوامل ذاتی و خارجی سے بحث کرنے کے بعد یہ بتایا تھا کہ اس وقت مسلمانوں کا سب سے بڑا فرض یہ ہے کہ دعوتِ اسلامی کی تجدید کریں اور اس سلسلہ میں انھوں نے اپنی چند تجاویز پیش کیں، اس مقالہ کے بعد ڈاکٹر سلیمان حزین مدیر جامعۂ اسیوط نے بھی اسی موضوع پر اظہارِ خیال کیا مگر انھوں نے اپنی گفتگو کو اسلام کی صرف اُس اشاعت تک محدود رکھا جو عربوں کے دور میں ہوئی اور جس میں اُن کے نزدیک جغرافیائی عوامل کا بھی دخل تھا۔

یہ جلسہ نو بجے ختم ہوا۔ دوسرے روز (۸ مارچ) دس بجے جلسہ پھر شروع ہوا تو گذشتہ روز علی عبدالرحمٰن نے دعوتِ اسلام کی تجدید و تنظیم سے متعلق جو کچھ کہا تھا اُس پر مناقشات و مباحثات ہوئے اور اس میں بہت سے حضرات نے حصّہ لیا۔ صاحبِ مقالہ نے تجویز کی تھی کہ دعوتِ اسلام کی تجدید و تنظیم کیلئے ایک عالمگیر ادارہ ہونا چاہیے، اور اس سلسلہ میں انھوں نے غلامی، اموالِ غنیمت، زکوٰۃ اور استرقاق کی بحث بھی چھیڑ دی تھی اور ایک موقع پر بَدَأَ الاسلام غریباً وسیعود غریباً والی روایت بھی نقل کردی تھی، اب مناقشہ کرنے والوں نے ایک ایک بات کو پکڑ لیا اور اُس پر بحث شروع کردی، ہمارے خیال میں یہ مناقشات اکثر و بیشتر غیر متعلق اور طالب علمانہ قسم کے تھے اور حیرت ہوتی تھی کہ علماء اور فضلاء کے باوقار مجمع میں اس طرح کی سطحی باتوں کا گذر کیوں کر ہوسکتا ہے، بہرحال اس سلسلہ میں کچھ کام کی باتیں بھی ہوئیں۔ مثلاً یہ سوال پیدا ہوا کہ دعوتِ اسلام کی راہ میں مشکلات کیا ہیں؟ اسکے جواب میں مختلف حضرات نے جو کچھ کہا اُس کا خلاصہ یہ تھا کہ اسلام کی اشاعت میں موجودہ جمود کے اسباب یہ ہیں:

(۱) مسلمانوں کا خود اسلام کی تعلیمات پر عمل نہ کرنا۔

(۲) کسی مرکزی فنڈ اور مرکزی تنظیم کا نہ ہونا۔

(۳) اجتہاد کے دروازہ کا بند ہونا۔

(۴) اسلام کی بعض تعلیمات مثلاً غلامی، تعدد ازدواج، طلاق، اور حرمتِ خنزیر وغیرہ کے بارہ میں

عیسائی مبلغین کا سخت اور گمراہ کن پروپیگنڈا کرنا۔

(۵) غیر متقی اور غیر صالح لوگوں کا مبلغ بن کر دوسرے ملکوں میں جانا۔

(۶) عیسائیوں اور قادیانیوں کی بے پناہ تبلیغی سرگرمیاں۔

(۷) مبلغین اسلام کا دوسرے مذاہب سے ناواقف ہونا۔

(۸) جیساکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے اُس کے مطابق دین کو آسان بنا کر پیش نہ کرنا۔

(۹) عیسائی مبلغین کی طرح غیر ترقی یافتہ ملکوں اور آبادیوں میں اسلامی شفا خانے، اسکول، یتیم خانے اور دوسرے رفاہِ عام کے ادارے نہ کھولنا۔

اس سلسلہ میں ایک بڑی اچھی بات یہ ہوئی کہ افریقہ اور لاطینی امریکہ اور جنوب مشرقی ایشیا کے نمائندوں نے کھڑے ہو کر اپنے اپنے ملک کے حالات بیان کئے اور بتایا کہ ان ملکوں کی سرزمین تبلیغِ اسلام کے لئے کس درجہ تشنہ اور موزوں ہے اور وہاں اسلام کی کامیابی کے کتنے قوی امکانات ہیں۔

اس روز شام کی نشست پانچ بجے شروع ہوئی تو اکاڈمی کے ممبر شیخ محمد نور الحسن نے ایک مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا "الاجتہاد ماضیہ وحاضرہ" اس مقالہ میں انھوں نے اجتہاد کے معنی، اس کے شروط وارکان، اور اُس کی ضرورت واہمیت پر گفتگو کرنے کے بعد کہا تھا کہ اجتہاد کا دروازہ اب بھی کھلا ہے مقالہ بڑا فاضلانہ اور پُراز معلومات تھا مگر آخر میں انھوں نے قاضی شوکانی کی جو عبارت نقل کی تھی جس میں تقلید کو گمراہی کہا ہے اُس نے مجمع میں اچھا خاصہ ہیجان اور اشتعال پیدا کر دیا۔ لیکن وقت ختم ہو گیا تھا اس لئے مناقشات کو کسی اور دن پر اٹھا رکھا گیا۔

---

۹ کو صبح کی اوّل نشست میں پھر دعوتِ اسلام کی تجدید وتنظیم کی بحث درمیان میں آئی اور شیخ علی عبدالرحمن نے اُن تمام مناقشات کا جواب دیا جو اُن کے مقالہ اور اُس میں ان کی تجاویز پر وارد کئے گئے تھے، آخر صدر جلسہ نے اُن سے درخواست کی کہ وہ اس سلسلہ میں کام کا پورا خاکہ اور اس کا دستور مرتب کر کے پیش کریں تاکہ اکاڈمی کے جلسوں میں (جو موتمر کے اختتام کے بعد شروع ہوں گے) اُس پر غور وخوض کیا جائے، دوسری نشست میں طرابلس اور شمالی لبنان کے مفتی الاستاذ ندیم الجسر نے فلسفۃ الحریۃ فی الاسلام"

کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا۔ اس میں انھوں نے موجودہ اخلاقی بے راہ روی، عورتوں کی آزادی مفرط اسلام میں عورتوں کے حقوق، رنگ اور نسل کی بنیاد پر عصبیت اور تحدید ملکیت کے بارہ میں اسلامی تعلیمات کا تذکرہ کیا، اس سب کا خلاصہ یہ تھا کہ جہاں تک انسانی حقوق کا تعلق ہے اسلام مکمل آزادی کا حامی ہے بشرطیکہ وہ آزادیٔ حق اور خیر یعنی معاشرہ کے مفادِ عامہ سے متصادم نہ ہو۔

اس روز شام کی نشست میں پہلے اکاڈمی کے ایک ممبر شیخ ابن عاشور نے اجتہاد پر ایک مقالہ پڑھا اور پھر اکاڈمی کے ہی ایک دوسرے ممبر شیخ محمد فرج السنہوری نے "التلفیق بین المذاہب" کے عنوان سے ایک وقیع اور فاضلانہ مقالہ سنایا۔ ۱۰ ارتاریخ کا دن سیر و سیاحت کے لئے رکھا گیا تھا۔ چنانچہ اس روز مہمانوں کو مسجد حضرت عمرو بن العاص اور بعض اور مسجدیں دکھائی گئیں، گیارہ کو نشست ہوئی تو گذشتہ جلسوں میں اجتہاد پر جو ۲ دو مقالے پڑھے گئے تھے اُن پر مذاکرہ و مناقشہ شروع ہوا، اس بحث میں شیخ محمد ناجی ابوشعبان (قطاع غزہ) سید محمد سالم عبدالودود (جمہوریۂ موریٹانیا) ڈاکٹر عبدالحلیم محمود (مصر) سید مصطفیٰ کمال التارزی (جمہوریہ تیونس) شیخ حسن مدثر (جمہوریۂ سوڈان) مفتی ضیاء الدین بابا خانوف (روس) مولانا محمد یوسف بنوری (پاکستان) شیخ عبداللطیف محمد آلِ سعد (بحرین) ڈاکٹر محمود یونس (انڈونیشیا) عبدالغفور بابر (افغانستان) اور ان کے علاوہ یوگوسلاویا، اردن، کویت، المغرب سوڈان، الجزائر، جمہوریۂ عربیہ متحدہ کے نمائندوں اور شیخ ابو زہرہ نے حصہ لیا، ۲ دو دن کے وقفہ کے بعد ۱۴ ار کو جلسہ ہوا تو ڈاکٹر اسحٰق موسیٰ الحسینی نے جو اکاڈمی کے ممبر ہیں "نظام الحسبۃ فی الاسلام" کے عنوان سے بڑا سیر حاصل اور مبسوط مقالہ پڑھا، مگر اس پر کوئی مباحثہ و مناقشہ نہیں ہوا اور نہ اس کی ضرورت تھی، حاصل یہ تھا کہ اسلامی حکومتوں میں ایک وسیع و ہمہ گیر محکمۂ احتساب ہونا چاہیے، فاضل مقالہ نگار نے اس موضوع کے تمام پہلوؤں پر شرعی، فقہی اور تاریخی حیثیت سے مفصل گفتگو کی تھی، اور بتایا تھا کہ یہ محکمہ خالص مسلمانوں کی ایجاد ہے جو آغاز اسلام سے تیرہویں ۱۳ صدی تک مسلمانوں کی تمام حکومتوں میں قائم رہا ہے۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے اس محکمہ کا قیام ایک بہت بڑا اجتماعی، دینی، سیاسی اخلاقی اور حکومتی فریضہ ہے، موصوف نے ایک مستشرق (Gustav Von Grunebaum

کے اس خیال کی مدلّل تردید کی کہ مسلمانوں نے یہ محکمہ رومیوں سے لیا تھا۔ بلکہ قرآن میں مسلمانوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جو حکم ہے، اس محکمہ کا قیام اس حکم کے زیرِ اثر تھا۔

دوسری نشست میں شیخ ابوزہرہ (ممبر اکاڈمی) نے "العلاقات الدولیۃ فی الاسلام" کے موضوع پر تقریر کی، یہ تقریر ایک نہایت مبسوط اور ضخیم مقالہ کی صورت میں مرتب تھی جو ٹائپ شدہ شکل میں تمام لوگوں میں پہلے سے تقسیم بھی کردی گئی تھی، لیکن اس کے باوجود شیخ نے مقالہ پڑھنے کے بجائے زبانی تقریر کرنا پسند فرمایا، قدرت نے عربوں کو عموماً اور مصریوں کو خصوصاً طلاقتِ لسانی اور فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان وخطابت کا جو کمال عطا فرمایا ہے اور جس میں بلا مبالغہ آج بھی دنیا کی کوئی قوم ان کے حریف ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتی، شیخ ابوزہرہ کی تقریر اس کا بڑا حسین نمونہ تھی - سبحان اللہ! تقریر کیا تھی! معلوم ہوتا تھا کہ فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان کا ایک سمندر ہے جو اُبل رہا ہے، بجلیاں ہیں کہ بادلوں کے گھونگٹ سے مُنہ نکال کر سامعین سے چشمک زنی کر رہی ہیں، بس جی یہ چاہتا تھا کہ وہ بولتے رہیں اور ہم کیف و سرور کے بھر بھر کے جام لُنڈھاتے رہیں، اس نشست میں شیخ نے مسلسل دو گھنٹہ تقریر کی۔ مگر پھر بھی مکمل نہیں ہوئی، وقت ختم ہوگیا تھا اس لئے نشست برخاست ہوگئی، دوسرے دن انھوں نے پھر تقریر شروع کی جو ایک گھنٹہ تک جاری رہی۔

پوری تقریر کا ماحصل یہ تھا کہ پہلے انھوں نے تعلقات کی حسب ذیل چار بنیادیں بیان کیں۔

(۱) وحدتِ انسانیت :- نصوصِ کتاب و سنت کی روشنی میں اس کی کیا حقیقت اور اہمیت ہے۔

(۲) وہ قواعدِ عامہ جو ان نصوص سے مستنبط ہوتے ہیں۔

(۳) تعلقات بحالت صلح۔

(۴) تعلقات بحالتِ جنگ۔

اس کے بعد فاضل مقرر نے بتایا کہ وحدتِ انسانی کی بنیاد پر اسلام جن حقوق کی تعیین کرتا ہے اور جن میں مسلم اور غیر مسلم دونوں برابر کے شریک ہیں وہ دس ہیں اور یہ ہیں :-

(۱) مساوات (۲) انسانی عظمت و کرامت (۳) چشم پوشی (تسامح) (۴) تعاون (۵) آزادی

(۶) فضیلت (۷) عدل (۸) معاملہ بالمثل (۹) وفائے عہد (۱۰) رحم وکرم،

بعدازاں نمبر ۳ یعنی تعلقات بحالتِ امن وصلح کے بارہ میں پہلے سوال کیا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان اصل چیز کیا ہے ؟ صلح وامن یا جنگ وحرب ؟ اور پھر اس سوال کے جواب میں کہا کہ اصل چیز صلح وامن ہے، اس سلسلہ میں دارالحرب اور دارالاسلام کا بھی ذکر آگیا تو موصوف نے فرمایا کہ پہلے زمانہ میں غیر مسلم حکومتیں مسلمان حکومتوں کے ساتھ عام طور پر دشمنی رکھتی اور اُن پر حملہ کرنیکے موقع کی منتظر رہتی تھیں اس لئے فقہانے ہر غیر مسلم حکومت کو دارالحرب کہہ دیا۔ لیکن آج حالات یہ نہیں ہیں۔ اس لئے کسی غیر مسلم حکومت کو محض غیر مسلم ہونے کی وجہ سے دارالحرب کہنا صحیح نہیں ہوگا۔ اس کے بعد بڑی تفصیل سے اس پر کلام کیا کہ بحالتِ امن مسلمان حکومتوں کے تعلقات خود اپنے غیر مسلموں کے ساتھ اور غیر مسلم مملکتوں کے ساتھ کس درجہ فیاضانہ، ہمدردانہ اور شریفانہ ہونے چاہئیں، اور اگر جنگ چھڑ جائے تو اس صورت میں بھی مسلمانوں کو حکم ہے کہ شہری آبادی کو کوئی نقصان نہ پہونچائیں، بوڑھوں، عورتوں، بچوں، اور مذہبی پیشواؤں پر ہاتھ نہ اُٹھائیں، درخت نہ کاٹیں، کھیت برباد نہ کریں گھروں کو آگ نہ لگائیں۔ معابد کو ہدم نہ کریں، جانوروں کو قتل نہ کریں اور میدانِ جنگ میں اتریں تو... جب تک دشمن کی طرف سے پہل نہ ہو خود پیش قدمی نہ کریں، پھر دورانِ جنگ میں دشمن کی طرف سے صلح کی درخواست پیش کی جائے تو اُس کے قبول کرنے میں جھجک اور تامل نہ کریں، بسلسلۂ تقریر شیخ نے یہ بھی کہا تھا کہ ایک مسلمان حکومت کو کسی غیر مسلم حکومت کے خلاف اولاً احتجاج کرنے اور اگر احتجاج کامیاب نہ ہو تو پھر اعلانِ جنگ کرنے کا حق صرف اُس وقت ہے جبکہ اُس ملک کے مسلمانوں کو اپنے دین پر عمل کرنے اور اُس کی تبلیغ واشاعت کرنے کی آزادی نہ ہو اور ان کی جان ومال اور عزت وآبرو محفوظ نہ ہو۔

تقریر چونکہ بہت اہم اور مفصل تھی اور اس میں بہت سے مسائل ومعاملات زیرِ بحث آگئے تھے اس لئے جب اس پر مناقشات کا دور شروع ہوا تو بہت سے لوگوں نے اس میں حصہ لیا اور اس سلسلہ میں بعض حضرات نے بڑی حیرت انگیز باتیں کہیں، مثلاً شیخ ابوزہرہ نے تقریر میں استرقاق کی مخالفت کی تھی اور کہا تھا کہ قرآن میں غلاموں اور باندیوں کا ذکر ضرور ہے مگر غلام بنانے کا حکم کہیں نہیں ہے، سوڈان کے شیخ الاسلام

نے اس کی پُر زور مخالفت کی جس کا ان کو جواب دیا گیا۔ بحث میں حصہ لینے کے لئے میں نے بھی اپنا نام دیا تھا مگر مقررین کی کثرت اور وقت کی قلت کے باعث جلسہ برخاست ہوگیا اور میری نوبت نہیں آئی۔ لیکن جلسہ گاہ سے باہر نکل کر میں نے شیخ سے کہا کہ اسلام چونکہ تمام انسانی حقوق کا محافظ ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رحمتِ عالم ہیں اس لئے میرے خیال میں ظلم اور انسانی حقوق کی پامالی کے معاملہ میں مسلم اور غیر مسلم کا کوئی فرق وامتیاز نہیں ہونا چاہئے، اس بنا پر اگر کسی ملک میں غیر مسلموں کے انسانی حقوق پامال ہو رہے ہیں اور ان پر ظلم ہو رہا ہے تو مسلمان حکومت کا فرض ہے کہ اس پر احتجاج کرے اور اگر احتجاج مؤثر نہ ہو تو اپنی طاقت کا استعمال کرے۔ شیخ نے اس بات کو بڑی توجہ سے سنا مگر ابھی کچھ کہہ نہ پائے تھے کہ دو تین حضرات نے اُن پر یورش کر کے باتوں میں لگا لیا اور پھر بات رفت وگذشت ہوگئی۔ یہ کارروائی ۱۵ر مارچ کی ہے۔

۱۶ر اور ۱۷ر یہ دو دن غزہ میں گذرے جو قاہرہ سے پانچ سو میل دور ہے اور جہاں اسرائیل کی سرحد ملتی ہے، اسماعیلیہ تک پختہ سڑک ہے پھر قناۃ السویس پار کر کے ریگستان شروع ہو جاتا ہے۔ یہی وہ صحرا ہے جو وادیٔ سینا کہلاتا ہے اور جہاں جبل طور ہے، یہی وہ مقدس صحرا ہے جس سے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کا گذر ہوا تھا اور یہی وہ صحرا ہے جس سے گذر کر حضرت عمرو بن العاص کی فوجیں مصر فتح کرنے پہونچی تھیں، ہزاروں برس کی مقدس تاریخ اپنے سینہ میں چھپائے آج بھی یہ صحرا دیدۂ عبرت نگاہ کے لئے سرمۂ نورِ نظر بنا، بحرِ روم کے ساتھ ہم آغوش کھڑا ہے، ایک مومن کے لئے اُس کے ذروں میں جو جاہ وجلال اور عظمت وکبریائی ہے وہ کاخ مدائن وقصر کسریٰ میں کہاں! ۱۶ر کی صبح کو قاہرہ سے روانہ ہوئے تھے ۱۸ر کی صبح کو ۳½ بجے واپس پہونچے، رات بھر کے جاگے تھے اس لئے مؤتمر کی نشست ۱۸ر کی صبح کو ۱۰ بجے نہیں ہوئی۔ شام کو ۴½ بجے شروع ہوئی۔ اس تاریخ کے بعد تین دن کے وقفہ سے ۲۲ر اور ۲۳ر کو پھر مؤتمر کے جلسے ہوئے۔ لیکن ٹھوس علمی مباحثوں اور مذاکروں کا دور گذر چکا تھا، اب مؤتمر میں جو تقریریں تحریری یا زبانی ہوتی تھیں وہ عام قسم کی ہوتی تھیں یعنی مختلف ملکوں کے نمائندے کھڑے ہوتے تھے اور کم وبیش دس بارہ منٹ کی تقریر میں کچھ جمہوریہ عربیہ متحدہ کی دعوت کا شکریہ اور اس کے کارناموں اور صدر جمال عبد الناصر کی تعریف وتوصیف کرتے تھے اور اپنے ملک کے مسلمانوں کی تعداد، ان کے دینی

اخلاقی اور تعلیمی حالات بیان کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں افریقہ، جاپان، یوگوسلاویہ، ہنگری، اور ہولینڈ سیلون، انڈونیشیا اور انگلینڈ کے مندوبین نے جو تقریریں کیں وہ بڑی دلچسپ، معلومات افزا، اور امید آفریں تھیں، انہیں سن کر محسوس ہوتا تھا کہ مسلمانوں میں دینی شعور اور اپنی تنظیم و اصلاح و ترقی کا جذبہ اب ہر جگہ پایا جاتا ہے اور دو سو ڈھائی سو برس سے اسلام کی جو طاقتیں اور قوتیں مغربی استعمار کے زیرِ اثر پراگندہ و منتشر تھیں' اسلام نے ان کو از سرِ نو جمع کرنا اور سمیٹنا شروع کر دیا ہے' ۲۲ تاریخ کو دوپہر کے بارہ بجے قصر الجمہوریہ میں ہم سب لوگوں کا جو استقبال ہوا اُس میں صدر جمہوریہ متحدہ عربیہ جمال عبدالناصر نے بھی اپنی مختصر تقریر میں اس طرف اشارہ کیا اور کہا کہ اب جبکہ مسلمان دنیا کے ہر گوشہ میں اس استعمار سے آزاد ہو چکے ہیں اُن کا فرض ہے کہ وہ متحد و متفق ہو کر دین کے احیاء کے لئے جدوجہد کریں، اُن کا مقصد خالص دینی اور نیت و ارادہ پاک و صاف ہونا چاہئے اور آج کل کی گندی سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہونا چاہئے۔

۲۳ تاریخ موتمر کا آخری دن تھا اس لئے اُس دن کے جلسوں میں ہر ملک کے وفد کے ایک ایک ممبر نے الوداعی تقریر کی اور یہاں ان کو قیام و طعام اور دوسری باتوں کی جو سہولت و آسانی رہی اُس پر حکومت کا شکریہ ادا کیا اور مسلمانانِ عالم کی اصلاح و تنظیم کے سلسلہ میں کچھ نہ کچھ تجاویز پیش کیں۔ سب سے آخر میں صدر جلسہ ڈاکٹر محمد عبداللہ الماضی نے ایک آخری اور الوداعی تقریر کی۔ جس میں سب کے دعوت کو قبول کرنے پر اور مجمع البحوث الاسلامیہ کے کاموں میں اشتراک و تعاون کرنے پر سب حضرات کا شکریہ اور اُمتِ مسلمہ کے لئے دعائے خیر و نجاح کی، اس کے بعد ڈاکٹر محمد حب اللہ جنرل سکریٹری نے موتمر کی طرف سے چند تجاویز پڑھ کر سنائیں جن کو موتمر کی ایک سب کمیٹی نے مرتب کیا تھا، یہ تجاویز حسب ذیل ہیں :۔

(۱) موتمر تہِ دل سے صدر جمال عبدالناصر کا شکریہ ادا کرتی ہے کہ انھوں نے اس موتمر کی سرپرستی منظور فرمائی اور اپنے نائب سید حسین الشافعی کو موتمر کے افتتاح کی رسم ادا کرنے پر مامور کیا۔

(۲) موتمر کے لوگوں کو یہاں جو آرام ملا اور خاطر مدارات ہوئی اُس پر موتمر حکومتِ جمہوریہ متحدہ عربیہ' اور

وزیرِ اوقاف کا شکریہ ادا کرتی ہے۔

(۳) موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ (الازہر اکاڈمی آف اسلامک ریسرچ) کا خیر مقدم کرتی اور اُس کے قیام کو وقت کی ایک اہم اسلامی ضرورت کی تکمیل سمجھتی ہے۔

(۴) موتمر تمام مسلمانوں سے اپیل کرتی ہے کہ وہ اپنے اپنے ملک میں اسرائیل کے خطرہ سے لوگوں کو آگاہ کریں اور مہاجرینِ فلسطین کے حق میں رائے عامہ پیدا کر کے اس کی کوشش کریں کہ یہ پھر اپنے وطن میں جا کر آباد ہو جائیں۔

(۵) موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ سے درخواست کرتی ہے کہ وہ دعوتِ اسلامیہ کی تجدید و احیاء کے لئے ایک مکمل خاکہ اور نظام بنا کر اُس پر عمل درآمد شروع کرے۔

(۶) موتمر مجمع البحوث الاسلامیہ سے درخواست کرتی ہے کہ موجودہ زمانہ میں بیسیوں قسم کے جو نئے مسائل پیش آرہے ہیں اُن کا اسلامی حل دریافت کرنے کی غرض سے وہ اصحابِ افتاء و فقہ کی ایک کمیٹی بنائے اور وہ کمیٹی جلد اپنا کام شروع کرے۔

(۷) مسلمانوں کو عربی زبان کی تعلیم و تعلّم کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں بہم پہونچائی جائیں۔

(۸) مسلمانانِ عالم کو ایک رشتۂ اخوت و محبت میں پرونے اور اس طرح اُن کو امّت واحدہ بنانے کے لئے مؤثر عملی اقدامات کئے جائیں۔

ان تجاویز کے سنانے کے بعد موتمر دعا پر ختم ہو گئی۔

ہم لوگوں کو پہلے سے معلوم ہی نہیں تھا کہ موتمر میں کس قسم کے مسائل و مباحث زیرِ گفتگو آئیں گے اس لئے نہ کوئی مقالہ تیار کیا تھا اور نہ کچھ سوچا تھا وہاں پہونچ کر مذاکرات و مقالات کا جو رنگ دیکھا تو جھٹ پٹ ایک ایک تحریر لکھ کر ہم تینوں نے پیش کی، میری یہ تحریر عربی میں تھی اور اُس کا عنوان تھا " اھم وظیفۃ دینیۃ لعلماء الاسلام فی ھذا الزمان " اس کے علاوہ ۲۵ کی شام کو جب کہ ہندوستانی وفد کا استقبال ہندوستانی سفارت خانہ میں تھا، قاہرہ ریڈیو اسٹیشن کا ایک نمائندہ وہاں پہونچ گیا، اور اُس نے مجھ سے انٹرویو لیا: میری یہ گفتگو انگریزی میں ہوئی اور ریکارڈ ہو گئی اور دوسرے دن براڈ کاسٹ کر دی گئی۔

جیسا کہ معلوم ہو چکا ہے موتمر دو ہفتہ ہوئی، لیکن مجموعی طور پر جلسہ ایک ہفتہ ہوئے اور ایک ہفتہ سیر و سیاحت میں گذرا جس میں حکومت کے اعلیٰ انتظامات کے ماتحت ہم لوگوں کو مصر کے بڑے بڑے شہر، کارخانے، فیکٹریاں، صنعت و حرفت کے منصوبے، تاریخی مآثر و مقامات دکھائے گئے، ان سب چیزوں کو بیان کرنے کے لئے ایک کتاب درکار ہے اور یہاں اس کا موقع نہیں، "دیارِ عرب کے مشاہدات و تاثرات" کے عنوان سے میرا جو سفرنامہ نکل رہا ہے مصر کے یہ تمام مشاہدات و تاثرات بھی اُسی میں لکھوں گا۔ بہرحال اس موقع پر اتنا لکھ دینا ضروری ہے کہ پہلے (مئی ۶۳ء) اور اب قاہرہ اور دوسرے شہروں میں جو کچھ دیکھا، سنا اور پڑھا ہے اُس سے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ صدر جمال عبدالناصر کی قیادت میں تاریخ کے صفحہ پر عرب ایک عظیم الشان قوم کی حیثیت سے پھر اُبھر رہے ہیں اُن کی رگ رگ میں زندگی کا نیا اور گرم خون دوڑ رہا ہے، علم و فن، سائنس و ٹکنالوجی، صنعت و حرفت فوجی تعلیم و تربیت، ضبط و نظم، اقتصادی خوش حالی و تونگری، صحت و توانائی، ایجاد و اختراع۔ ان میں سے کوئی چیز نہیں ہے جس میں ان کی غیر معمولی ترقی و پیش قدمی کے کھلے نشانات موجود نہ ہوں۔ انھوں نے ابھی سے دنیا کی بین الاقوامی سیاست پر اثر انداز ہونا شروع کر دیا ہے۔

عربوں میں باہم کچھ اختلافات ضرور ہیں، لیکن جمہوریت متحدہ عربیہ کی عظیم الشان طاقت و قوت نے اب ان سب کو اس امر کا یقین دلا دیا ہے کہ اگر انہیں اسرائیل کے خطرہ سے عہدہ برآ ہونا اور فلسطین کی ارضِ مقدس کو پھر واپس لینا ہے تو اُن کے لئے صدر جمال عبدالناصر کی لیڈرشپ پر اعتماد کرنے کے سوا کوئی چارۂ کار نہیں ہے۔ یہ احساس اب عام ہو رہا ہے اور عربوں کے باہمی اختلافات کی خلیج سمٹتی جا رہی ہے، دوسری جانب مصر خود افریقہ کا ایک حصّہ ہے اور پورا افریقہ اس وقت بے سر و سامانی اور انتشار کی حالت میں ہے، اس لئے اس کو بھی جمال عبدالناصر کی قیادت سے بہت کچھ توقعات ہیں، ان سب چیزوں کے پیشِ نظر یہ قیاس کرنا دُور از کار نہیں کہ عرب اور افریقہ دونوں مل کر مستقبلِ قریب میں ایک اہم سیاسی رول ادا کریں گے۔